Surah Nisa 110-121

Fi Zilaal Al Quran:

110-112: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○

(آیت) " نمبر ۱۱۰تا ۱۱۳۔

یہ تین آیات وہ قواعد کلیہ وضع کرتی ہیں جن کے مطابق اللہ اپنے بندوں کے ساتھ سلوک وانصاف کرے گا۔اور لوگ بھی اگر چاہیں تو وہ اس کے مطابق سلوک کر کے اچھا معاشرہ تعمیر کر سکتے ہیں اور انہی قواعد کے مطابق وہ اللہ کے ساتھ معاملہ کر کے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔

پہلی آیت میں معافی کا دروازہ چوپٹ کھلا رکھا گیا۔اگر لوگ توبہ کر لیں۔تو اللہ تعالیٰ کی معافی کا دروازہ کھلا پائیں گے۔ہر گناہ گار تائب کو معافی کی امید دلائی گئی ہے۔

(آیت) " ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما"۔ (۴ : ۱۱۰)

اگر کوئی شخص برا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے در گزر کی درخواست کرے تو اللہ کو در گزر کرنے (والا اور رحیم پائے گا

اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کی مغفرت اور رحمت موجود ہے بشرطیکہ کوئی معافی مانگنے والا ہو' کوئی رحمت کا طلب گار ہو جو باز آ رہا ہو۔جو شخص برائی کرتا ہے' کبھی غیر پر ظلم کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے (نفس پر ظلم اس وقت ہوتا ہے جب اس کی برائی دوسرے تک متعدی نہ ہو' اس کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود ہو) بہر حال ظالموں کے لیے معافی کا دروازہ کھلا ہے۔اگر وہ استغفار کریں۔اگر وہ توبہ کر کے واپس آئیں تو وہ انھیں معاف کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر رحمت بھی کرتا ہے اس کا دروازہ کھلا ہے' اس پر کوئی دربان نہیں ہے' اور اس کا یہ اعلان' اعلان عام ہے۔بے قید اور بے شرط ہے۔جب بھی وہ توبہ کر کے لوٹ آئیں تو اللہ غفور ورحیم ہے۔

دوسری آیت میں یہ اصول طے ہوا ہے کہ مسؤلیت انفرادی ہے سزا میں اسلامی نظام زندگی کا یہ اساسی اصول ہے کہ ہر کوئی اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے اور اس اصول سے ہر شخص کے دل میں خوف بھی پیدا ہوتا ہے اور اطمینان بھی پیدا ہوتا ہے۔ خوف اس لیے کہ وہ اپنے اعمال اور اپنے کاموں کو درست کرے گا اور اطمینان اس لیے ہوگا کہ دوسرے کے معاملات اور بدکاریوں کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

(آیت) " ومن یکسب خطیہۃ او اثما ثم یرم بہ بریا فقد احتمل بھتانا واثما مبینا"۔ (۴ : ۱۱۲) (مگر جو برائی کمائے تو اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی' اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے اور وہ حکیم ودانا ہے) اس اصول کے مطابق جرائم میں اصول وراثت نہیں چلتا۔ جس طرح اہل کنیسہ موروثی جرم کی بات کرتے ہیں۔ اسلام میں یہ تصور نہیں ہے کہ کسی جرم کی سزا کوئی اور بھگتے گا یا کفارہ کوئی اور دے گا۔ اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اس تصور کے مطابق ہر شخص اپنے اعمال کے بارے میں محتاط ہوگا۔ اور وہ اس بات سے مطمئن ہوگا کہ دوسروں کے جرائم میں اسے نہ پکڑا جائے گا۔ یہ ایک عجیب متوازن قانون اور نہایت ہی متوازن قانون اور نہایت ہی متوازن تصور حیات ہے ۔ اسلامی تصور حیات کے اساسی عناصر میں سے یہ ایک اہم عنصر ہے (دیکھئے خصائص التصور الاسلامی) اس تصور پر فطرت مطمئن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے قید عدل نافذ ہوتا ہے اور انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس اصول جرم وسزا کو دنیا میں اپنائے۔

تیسری آیت اس بارے میں بات کرتی ہے کہ خود جرم کر کے دوسرے انسان پر تھوپنا بہت ہی بڑا جرم ہے اور قصہ زیر بحث میں جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

(آیت) " ومن یکسب خطیہۃ او اثما ثم یرم بہ بریا فقد احتمل بھتانا واثما مبینا" (۴ : ۱۱۲) (پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا اس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا)۔

بہتان کے معنی یہ ہیں کہ ایک پاک دامن شخص پر الزام تھوپ دیا جائے اور گناہ وہ ہے جس کا اس نے ارتکاب کرنے کے بعد اسے بری الذمہ شخص کے سر تھوپ دیا۔ گویا اس شخص نے ان دونوں کو اپنے سر پر اٹھالیا ہے۔ گویا کہ ایک بوجھ ہے جسے یہ شخص اٹھا رہا ہے اور یہ قرآن کریم کا انداز کلام ہے کہ وہ حقائق اور مفاہیم کو مجسم شکل میں پیش کرتا ہے اور یہ قرآن کا معجزانہ انداز بیان ہے۔ (دیکھئے التصویر الفنی فی القرآن)

اسلام ان تین اصولوں کے مطابق اپنا نظام عدل استوار کرتا ہے اور انہی کے مطابق مجرمین کو سزا دیتا ہے۔ وہ کسی بھی مجرم کو معاف نہیں کرتا اگر اس جرم کی زد میں کوئی غیر شخص آئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام مغفرت اور توبہ کا دروازہ بھی کھلا چھوڑتا ہے۔ اور یہ طے کرتا ہے کہ طلب مغفرت کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے لیے ہر وقت یہ دروازہ کھلا رکھا جائے۔ جب بھی وہ چاہئیں اسے کھٹکھٹائیں بلکہ اگر وہ اللہ کی درگاہ میں بلا اجازت ہی داخل ہو جائیں اور پناہ لے لیں تو بھی مغفرت اور رحمت ان کو ڈھانپ لے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر احسان مندی کا اظہار فرماتے ہیں کہ اگر اللہ نہ بچاتا تو آپ سازشیوں کی سازش کا شکار ہوتے اور کوئی غلط فیصلہ کر دیتے لیکن اللہ نے وہ سازش طشت از بام کر دی' جسے وہ لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے۔ اسے وہ اللہ سے تو نہ چھپا سکتے تھے اس لیے کہ روات کے وقت بھی جب وہ ناپسندیدہ باتیں کرتے تھے اللہ ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد اللہ بطور احسان یاد دہانی کراتے ہیں کہ اللہ نے آپ پر احسان کیا کہ اس نے آپ پر حکمت اتاری اور وہ تعلیم دی جو آپ کے علم میں نہ تھی اور پھر یہ احسان پوری انسانیت پر تھا اور اس احسان کو آپ کی ذات مکرم میں مجسم کر دیا جبکہ آپ کی ذات باری تعالیٰ سے ہر وقت قربت رکھتی تھی۔

113: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○

(آیت) " نمبر ۱۱۳۔

یہ کوشش ان مختلف النوع کوششوں میں سے ایک ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمن اسلام کے خلاف کر رہے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سچائی انصاف اور صراط مستقیم سے بدراہ کر دیں لیکن اللہ کا فضل و کرم ہمیشہ آپ کے شامل حال رہتا اور آپ کو اللہ بچا لیتے اور جو لوگ سازشیں کرتے وہ خود سازش کا شکار ہو جاتے اور خود ہی گمراہ ہوتے۔ اور سیرت الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس قسم کے بیشمار واقعات موجود ہیں کہ سازشوں نے سازش کی اور اللہ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور ان کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں حضور کو اطمینان دلاتے ہیں کہ اس کا فضل اور رحمت رسول اللہ کے شامل حال رہے گی اور وہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

اس مناسبت میں کہ اللہ تعالیٰ نے سازشیں کرنے والوں کی سازش سے آپ کو محفوظ رکھا اور آپ اس سے بچ گئے کہ آپ کے احکام کی وجہ سے ظالم بچ جائے اور بے گناہ کو سزا ہو جائے اللہ تعالیٰ اپنے ایک عظیم فضل کو یاد دلاتے ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ نے آپ کو تاج رسالت پہنایا۔

(آیت) " وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ واعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما "۔ (۴ : ۱۱۳) (اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمہیں معلوم نہ تھا' اور اس کا فضل تم پر بہت ہے) یہ احسان دراصل جنس انسان پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری رسالت انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجی۔ یہ کوئی معمولی احسان نہ تھا بلکہ یہ انسان کے لیے ایک نیا جنم تھا اور اس سے انسانیت کو ایسی زندگی ملی جس طرح کوئی انسان پہلی مرتبہ انسانیت اور روح پاتا ہے۔ یہ احسان جس کی وجہ سے انسان کو جاہلیت کی پستیوں سے اٹھایا گیا اور

اسے اسلامی نظام حیات کے ذریعے دنیا میں برتری اور ترقی دے کر نہایت ہی اونچے مقام تک پہنچایا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے فضل عظیم سے تعبیر کیا۔

اسلامی نظام زندگی کے احسان اور بھلائی کا صحیح طرح اندازہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اسلام اور جاہلیت کا تقابلی مطالعہ کیا ہو۔ ماضی اور حال کو دیکھا ہو اور جس نے اسلام کی طرح جاہلیت کو بھی چکھا ہو۔

اس احسان کا تذکرہ سب سے پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا گیا اس لیے کہ سب سے پہلے اسلام کو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پایا سب سے پہلے اس کا مزہ چکھا اور سب سے پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جانا اور آپ سب سے زیادہ اسلام کے جاننے والے اور اسے چکھنے والے تھے۔ (آیت) "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (۴ : ۱۱۳) (تم کو وہ کچھ بتایا جو تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے)

114: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

: درس نمبر ۴۰ ایک نظر میں

یہ سبق درس سابق کے ساتھ مربوط ہے اور ان دونوں کے درمیان کئی ربط ہیں۔ اس میں بعض آیات تو درس سابق کے واقعہ کی بازگشت ہیں۔ اس واقعہ اور وحی الٰہی کے بعد بشر ابن ابیرق جو چوری میں ملوث تھا' مرتد ہو گیا تھا اور رسول اللہ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا تھا۔ اور اسلام کے بعد دوبارہ جاہلیت میں چلا گیا تھا۔ چنانچہ اس حوالے سے اس سبق میں جاہلیت کی بات کی گئی ہے۔ جاہلی خیالات' تصورات اور اس نظام میں شیطان کی کارستانیاں وغیرہ۔ بتایا جاتا ہے کہ اسلام اور جاہلیت کے درمیان سرحد شرکیہ عقاید ہیں۔ اللہ کے نظام میں شرک کی معافی نہیں ہے۔

اس کے سوا سب کچھ قابل معافی ہے۔۔ اس سبق میں راتوں کو خفیہ سازشوں سے بھی منع کیا گیا ہے اور جو کام بھی خفیہ ہوتے ہیں ان میں زیادہ تر اچھے نہیں ہوتے۔ مثلاً درس سابق میں چوری کے واقعہ میں جو نجوی ہوا۔ نجوی کی ممانعت کے بعد اس میں بھلائی معروف مشورے اور لوگوں کے درمیان اصلاح وغیرہ کی اسکیموں کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا۔ اس لیے کہ یہ تو کار ثواب ہے۔ پھر آخر میں بتایا جاتا ہے کہ اللہ کے ہاں جزا اس کے اپنے اصولوں کے مطابق ہوتی ہے اور اس میں کسی کی ذاتی چاہت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ نہ مسلمانوں اور نہ ہی اہل کتاب کی

چاہت کا اس میں داخل ہو گا۔ سب کام اللہ کے بے قید انصاف کے مطابق ہو گی۔ اور سچائی کے مطابق ہوں گے اور اگر سچائی لوگوں کی چاہتوں کے پیچھے چلے تو زمین و آسمان کا تمام نظام فاسد ہو جائے۔

غرض یہ سبق اپنے موضوع اور اپنے رخ کے اعتبار سے۔ سابق کے ساتھ پوری طرح مربوط ہے۔۔ اور اس کے علاوہ امت مسلمہ کی تربیت کی ایک نئی کڑی ہے جسے پوری انسانیت کی قیادت کے لیے تیار کرنا پیش نظر تھا۔ اس طرح کہ وہ تنظیم میں فوقیت رکھتی ہو اور اس کی نظر میں ہو کہ اس کی صفوں میں کہاں کہاں کمزوریاں ہیں اور کہاں کہاں ابھی تک آثار جاہلیت باقی ہیں تاکہ وہ ان کی اصلاح کر سکے۔ یہ وہ مقصد ہے کہ اس پوری سورۃ میں اس کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس سے متعلق کئی موضوع زیر بحث آئے اور پورے قرآن کریم کے مقاصد میں سے بھی یہ ایک اہم موضوع ہے۔

: درس ۴۰ تشریح آیات

۱۱۴۔۔ تا۔۔ ۱۲۶

(آیت) " نمبر ۱۱۴۔

قرآن کریم میں نجوی کی بار بار ممانعت کی گئی ہے۔ نجوی یہ ہے کہ کوئی گروہ اسلامی جماعت سے علیحدہ اور اسلامی قیادت سے علیحدہ کوئی بات سوچے اور اس کیلئے جمع ہو۔ اسلامی تربیت کا طریق کار یہ تھا کہ لوگ اپنی تمام مشکلات اور مسائل کو لے کر اسلامی قیادت کے پاس آتے اور اگر بات ذاتی ہوتی تو وہ تنہائی میں پیش کرتے تاکہ عوام الناس میں بات پھیل نہ جائے اور اگر بات کی نوعیت عمومی ہوتی تو اسے علانیہ پوچھتے یعنی اگر بات کا خصوصا پوچھنے والے سے تعلق نہ ہوتا۔

اس پالیسی میں حکمت یہ تھی کہ اس کی وجہ سے جماعت مسلمہ کے اندر کوئی بلاک یا گروہ نہ بن سکتے تھے اور نہ ہی یہ ہو سکتا تھا کہ جماعت کے کچھ حصے اپنے تصورات اور اپنی مشکلات کو لے کر الگ ہو جائیں یا وہ اپنے رجحانات اور اپنے افکار کے مطابق اپنی راہ لیں۔ یہ صورت حال بھی نہ ہو کہ جماعت کے کچھ لوگ رات کو مشورہ کر کے ایک بات کا فیصلہ کر لیں اور دن کے وقت جماعت کے اندر بطور ایک فیصلہ شدہ امر پیش کر دیں۔ اگرچہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور میں تو کوئی بات مخفی نہ رہ سکتی تھی' وہ جو کچھ مشورہ کرتے اللہ ان کے ساتھ ہوتا اور بوقت ضرورت حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اطلاع دے دیتا۔

مسجد نبوی جماعت مسلمہ کی پارلیمنٹ تھی۔ وہاں لوگ باہم ملتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے اور زندگی کے تمام معاملات وہاں ہی طے ہوا کرتے تھے تھا اس میں وہ تمام معاملات پیش ہوتے تھے جو جماعت کے جنگی اسرار و رموز (Open Society) ۔ پھر اسلامی معاشرہ ایک کھلا معاشرہ

سے متعلق نہ ہوتے یا ایسے مسائل نہ ہوتے جن کا تعلق لوگوں کی ذات اور خاندانوں سے ہو اور وہ پسند نہ کرتے ہوں کہ لوگوں کے علم میں آئیں۔ اسلامی سوسائٹی چونکہ ایک کھلی سوسائٹی تھی اس لیے وہ آزاد اور پاک وصاف سوسائٹی تھی اور اس سوسائٹی میں علیحدہ جنبہ بنارا تو ں کو مشورہ وہی لوگ کرتے تھے جو اس کے خلاف سازش کرتے تھے یا اس کے اصولوں میں سے کسی اصول کے خلاف جمع ہوتے تھے اور یہ لوگ عموماً منافقین ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی نجوی ہوا' اس میں منافقین شریک رہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہمارے لیے بہت ہی مفید ہے۔ اسلامی معاشرہ میں اس سے پاک وصاف ہونا چاہیے اس میں جن لوگوں کو کسی چیز کے بارے میں کوئی بھی خلجان ہو' اسے چاہیے کہ وہ اسے قیادت عامہ کے سامنے پیش کرے۔ یا اگر کوئی مشکل پیش آئے یا کوئی تجویز ان کے سامنے ہو یا کوئی رجحان نظر آئے تو ان معاملات میں اسے قیادت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

یہاں قرآن مجید نے نجوی کی ایک قسم کو جائز رکھا ہے۔ دراصل وہ نجوی ہی نہیں ہے اگرچہ شکل نجوی کی ہے۔

(آیت) "الا من ابر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس (۴ : ۱۱۴) (ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ وخیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے)

مثلاً دو اچھے اور نیک آدمی جمع ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کریں کہ کیا فلاں شخص کی مدد کے لیے یا فلاں کام میں روپیہ خرچ کرنا چاہیے اس لیے کہ اس شخص کو ضرورت ہے اور مجھے اس کی ضرورت کا علم ہے یا یہ کہ فلاں کام میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے' آیئے یہ کام کریں۔ یا یہ کہ فلاں اور فلاں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے ہیں' آیئے ان کے درمیان مصالحت کرادیں۔ ایسے لوگوں کی کوئی انجمن یا سوسائٹی بھی بن سکتی ہے جو مشورہ کر کے کسی نیک کام میں باہم تعاون کر سکتی ہے بشرطیکہ یہ کام نہ نجوی ہوں اور نہ اسلامی نظام کے خلاف کوئی سازش۔ اگرچہ ظاہری شکل میں یہ نجوی بھی ہو گا لیکن قرآن نے اسے "امر" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس قسم کی محدود ساسائٹی بعض اوقات اپنے امور رات کو تنہائی میں طے کرتی ہے اور ان کا مقصد معروف اور بھلائی کا کام ہوتا ہے۔

لیکن اس قسم کی سوسائٹی کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کی تشکیل اور سرگرمی کی رضامندی کے حصول کے لیے ہو۔

(آیت) "ومن یفعل ذلک ابتغآء مرضات اللہ فسوف نوتیہ اجرا عظیما (۴ : ۱۱۴) (اور جو کوئی اللہ کی رضاجوئی کے لیے ایسا کرے گا تو اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے)

یعنی کسی شخص پر صدقہ کرنے اور فلاں اور فلاں کے درمیان اصلاح حال کرنے کا مقصد یہ نہ ہو کہ یہ کام کرنے والے لوگ اس طرح مشہور ہو جائیں کہ لوگ کہیں کہ خدا کی قسم یہ بہت ہی اچھے لوگ ہیں کہ صدقہ وخیرات کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں اور لوگوں کے درمیان

اصلاح کا کام کرتے ہیں۔ غرض اس کام میں ان کے پیش نظر رضائے الٰہی کے حصول کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہو۔ یہ ہے وہ فرق و امتیاز جو محض رضائے الٰہی اور اجر اخروی کے لیے کئے جانے والے کام اور اس کام کے درمیان ہوتا ہے' جو کسی اور غرض کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر دونوں کام ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ایک کا اندراج بھلائی کے رجسٹر میں ہوتا ہے اور دوسرے کا اندراج برائیوں کے رجسٹر میں ہوتا ہے

115-116: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

(آیت) ۱۱۵ تا ۱۱۶۔

ان آیات کے نزول کے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ بشیر ابن ابیرق مرتد ہو گیا اور جا کر مشرکین مکہ کے ساتھ مل گیا حالانکہ اس پر راست واضح ہو چکی تھی۔ پہلے وہ اسلامی صفوں میں تھا لیکن اس نے اہل ایمان کی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ کو اپنا لیا۔ لیکن یہ آیت مضمون اور اطلاق کے اعتبار سے عام ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس حالت پر ہو گا جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کی جا رہی ہو۔ جس میں آپ کی مخالفت میں کفر' شرک اور ارتداد اختیار کیا گیا ہو اور اس طرح کے قدیم وجدید تمام واقعات پر اس کا اطلاق ہو گا۔

(المشاقہ) کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص ایک ٹکڑا لے اور دوسرا اس کے مقابلے میں دوسرا ٹکڑا لے لے۔ اور جو شخص رسول اللہ کے ساتھ شقاق کرتا ہے وہ رسول کے بالمقابل جنبہ بالمقابل صف' اور بالمقابل پارٹی کو اختیار کرتا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جن بے پارٹی اور محاذ کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نافذ کردہ نظام زندگی کے بالمقابل نظام حیات لے کر آئین تھے جس کے اندر عقیدے اور نظریات بھی شامل تھے' جس کے اندر مراسم عبودیت بھی تھے۔ جس کے اندر نظام قانون اور نظام حکومت بھی تھا اور یہ نظام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا۔ اور یہ تمام امور اسلامی نظام کے مجموعی جسم کے اعضاء تھے۔ اور اصول یہ ہے کہ اگر ان اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کی روح نکل جائے گی۔ جو شخص رسول کے ساتھ شقاق کرتا ہے یہ وہی شخص ہے جو یا تو اسلامی نظام حیات کو مکمل طور پر رد کرتا ہے اور یا بعض حصوں کو مانتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے۔ یعنی ایک حصہ لیتا ہے اور دوسرا چھوڑتا ہے۔

اللہ کی رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ کہیں ان پر حجت تمام نہ ہو جائے اور وہ برے ٹھکانے جہنم کے مستحق نہ ہو جائیں اس لیے اللہ نے ان کی جانب رسول بھیجے۔ رسولوں نے لوگوں کے سامنے سچائی بیان کی انھوں نے لوگوں پر راہ ہدایت کو بالکل واضح کر دیا۔ پھر اگر وہ انکار کریں گے تو گمراہی کو اختیار کریں گے۔ یہ اللہ کی وسیع رحمت تھی کہ اللہ نے اس ضعیف مخلوق کے لیے صراط مستقیم پر چلنے کا یہ اہتمام کیا۔ پھر جب کسی پہ راہ حق واضح ہو جائے اور رسول موجود ہو اور پھر بھی وہ رسول کی راہ کے مقابلے میں دوسری راہ اختیار کرے اور آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کی اطاعت نہ کرے اور اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر راضی نہ ہو' تو اب حجت تمام ہوتی ہے اور اللہ ان کے حق میں گمراہی لکھ دیتے ہیں اور پھر اسی طرف اسے موڑ دیتے ہیں جس طرف وہ مڑ جاتا ہے۔ پھر اسے اللہ کفار کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ مشرکین کا ساتھی ہو جاتا ہے اور اب اس پر وہ عذاب حق بن جاتا ہے جس کا اللہ نے اعلان کیا۔

(آیت) "۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم وسآءت مصیرا (۴ : ۱۱۵)

ترجمہ : "مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے' درآنحالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اس طرف چلائیں گے جدھر خود وہ پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

اس برے انجام کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اللہ کی مغفرت ہر گناہ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے مگر شرک ایسا گناہ ہے جس کے لیے ہر گز معافی نہیں ہے۔

(آیت) "۔ ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشآء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلا بعیدا" (۴ : ۱۱۶)

اللہ کے ہاں بس شرک کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہیے جس نے اللہ کے ساتھ " کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل اسی مضمون کی آیت کی تفسیر میں کہہ آئے ہیں کہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ دوسرے الہوں کو شریک کیا جائے جس عرب دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے اور جس طرح عربوں کے علاوہ دوسری قدیم جاہلیتیں کرتی تھیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے خصائص الوہیت خصوصاً صفت حاکمیت میں بھی کسی اور کو شریک کرنے کے سے شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی انسان کو حکم سمجھا جائے۔ جس طرح یہود و نصاریٰ کے شرک کے بارے میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ انھوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا الہ بنا رکھا ہے۔

یہ لوگ احبار و رہبان کی عبادت اس طرح نہ کرتے تھے جس طرح وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے بلکہ وہ ان احبار اور رہبان کو حق قانون سازی دیتے تھے۔ یہ لوگ ان کے لیے حلال و حرام کے حدود بھی متعین کرتے تھے اور یہود و نصاری اس کام میں ان کی اطاعت کرتے تھے۔ اس طرح وہ ان لوگوں کو خصائص الوہیت میں سے ایک حصہ عطا کر دیتے تھے اس لیے وہ مشرک قرار پائے ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ انھوں نے توحید کے سلسلے میں اللہ کی ہدایات کی خلاف ورزی کر ڈالی تھی' حالانکہ اللہ کی طرف سے انھیں حکم صرف یہ تھا کہ وہ صرف الٰہی واحد کی بندگی کریں' صرف اللہ وحدہ کے مراسم عبودیت ادا کریں اور اوامر و نواہی کے ساتھ ساتھ قانون کا ماخذ حکم الٰہی کو قرار دیں۔

اللہ کے صریح احکام و اعلانات کے مطابق گناہ شرک کے لیے کوئی معافی نہیں ہے بشرطیکہ کوئی حالت شرک میں مر جائے شرک کے سوا تمام گناہوں کے معافی ہو سکتی ہے اگر اللہ راضی ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ شرک کو اس قدر عظیم جرم کیوں قرار دیا گیا ہے کہ وہ ناقابل معافی ہے؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو شخص شرک کا ارتکاب کرتا ہے وہ خیر اور بھلائی کے دائرے ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس کی فطرت ہی بگڑ جاتی ہے اور اس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں رہتی۔

(آیت) " ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلا بعیدا (۴ : ۱۱۶) (جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا)۔۔ اگر ایسے شخص کی فطرت کے تار و پود میں سے کوئی ایک دھاگہ بھی باقی ہوتا تو وہ اسے اللہ کے نظریہ وحدانت کے ساتھ جوڑے رکھتا لیکن اس نے تمام رشتے توڑ دیئے۔ اگر شرک سین کوئی تائب ہو جائے اور موت سے چند منٹ پہلے تائب ہو جائے تو بھی نجات پالے گا ہاں اگر حالت نزع طاری ہو اور وہ مشرک ہو تو اب اس کا انجام یہ ہو گا کہ (آیت) " ونصلہ جھنم وسآءت مصیرا" (۴ : ۱۱۵) (ہم اسے واصل جہنم کریں گے اور یہ بہت ہی برا انجام ہے)۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جاہلیت کے بعض اوہام و خرافات کا تذکرہ کرتا ہے۔ عربی جاہلیت کے اندر جو شرکیہ خرافات جاری تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہ لوگ شیطان کی بھی پوجا کرتے تھے' جس طرح انھوں نے ملائکہ کے بت بنا رکھے تھے' پھر ان کے اندر ایسی رسوم بھی تھیں کہ جو جانور وہ نذر کرتے تھے ان کے کان کاٹ دیتے تھے یا پھاڑ دیتے تھے۔ یہ ان کے الہوں کی نذر ہوتے تھے اور اس طرح وہ اللہ کی پیدائش اور تخلیق کو متغیر کرتے تھے۔ اور اس طرح شرک کرتے تھے حالانکہ شرک کرنے کا معنی یہ ہے کہ جس طرح انسان فطرت کو بگاڑ دے۔

117-120: إِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنَاثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

(آیت) " نمبر ۱۱۷ تا ۱۲۰،

دور جاہلیت میں عرب یہ سمجھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ پھر وہ ان فرشتوں کی مورتیاں بنانے اور ان کے نام عورتوں کے ناموں سے رکھتے۔ لات' عزی اور منات وغیرہ۔ پھر وہ ان بتوں کو پوجتے تھے اور پوجتے اس لیے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیوں کے بت ہیں۔ یوں وہ بارگاہ الٰہی میں ان کو تقرب کا ذریعہ بناتے تھے۔ ابتداء میں اس طرح انھوں نے شرک کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اس کہانی کیا اصلیت کو بھلا دیا اور ان بتوں کی پوجا بذاتہ کرنے لگے۔ اس کے بعد جب مزید آگے بڑھے تو مطلق پتھروں کی پوجا شروع کر دی۔ پارہ چہارم میں ہم نے اس کی کچھ تفصیلات دی ہیں۔

ان میں سے بعض بذات خود شیطان کے بھی پجاری تھے۔ یہ آیت اس بارے میں نص ہے۔ کلبی کہتے ہیں کہ خزاعہ کی شاخ بنو ملیح جنوں کی پوجا کرتے تھے۔ لیکن اس آیت کا مفہوم بڑا وسیع ہے' اس طرح کہ وہ اپنے شرک میں شیطان کو پکارتے تھے اور اس سے امداد طلب کرتے تھے اور شیطان کا قصہ ان کے دادا آدم کے ساتھ مشہور تھا جسے اللہ نے ملعون قرار دیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے انسان کے ساتھ اپنی دشمنی کا اعلان کر دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے راندہ درگاہ کیا تو اسے انسان پر بہت غصہ آگیا اور وہ اس کا سخت دشمن بن گیا اس نے اللہ سے مہلت مانگی کہ وہ اسے موقعہ دے کہ جو اللہ کے محفوظ قلعے میں پناہ نہیں لیتا وہ اسے گمراہ کر سکے۔

(آیت) " ان یدعون من دونہ الا اناثا وان یدعون الا شیطان مریدا۔ (۱۱۷) لعنہ اللہ و قال لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا (۱۱۸) ولا ضلنھم ولا منینھم ولامرنھم فلیبتکن اذان الانعام ولامرنھم بلیغیرن خلق اللہ "۔ (۱۱۹) (۴ : ۱۱۷ تا ۱۱۹)

وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں۔ وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے۔ (وہ اس شیطان کی) اطاعت کر رہے ہیں) جس نے اللہ سے کہا تھا کہ " میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ میں انھیں بہکاؤں گا' میں انھیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا' میں انھیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں انھیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔

یہ لوگ شیطان کو پکارتے ہیں جو ان کا قدیمی دشمن ہے۔ وہ ہدایات لیتے ہیں اور اس گمراہی میں اس سے امداد لیتے ہیں' حالانکہ یہ شیطان وہ ذات ہے جس پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی ہے کہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ بنی آدم کے ایک بڑے حصے کو گمراہ کر

کے رہے گا۔ انھیں جھوٹی تمناؤں اور جھوٹی خواہشات کا گرویدہ بنادے گا۔ وہ جھوٹی لذتوں' موہوم کامیابیوں اور آخرت کی خوش آئندہ امیدوں میں گم رہیں گے۔ نیز وہ شیطان جس نے اعلانیہ اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ وہ ان انسانوں سے نہایت ہی قبیح اور احمقانہ حرکات کا صدور کرائے گا۔ وہ نہایت ہی بودے تصورات کے قائل ہوں گے اور محض قصے کہانیوں پر دین کا فیصلہ کریں گے۔ مثلاً یہ کہ وہ بعض جانوروں کے کان پھاڑ کر کہیں گے کہ اب اس پر سواری حرام ہے یا ان کا گوشت کھانا حرام ہے حالانکہ اللہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا نیز وہ فطرت انسانی اور خلق الٰہی میں بے جا تغیرات کریں گے مثلاً جسم کے بعض اجزاء کاٹیں گے۔ انسانوں اور حیوانوں کی شکلیں بدلیں گے مثلاً غلاموں کو خصی کریں گے اور ان کے چمڑے پر نشانات بنائیں گے۔ غرض یہ اور تمام دوسرے غیر فطری افعال و حرکات جس کی اجازت فطرت سلیمہ اور اسلام دونوں نہیں دیتے۔

انسان کا یہ شعور کہ اس کا قدیم دشمن شیطان ہی شرک اور شرکیہ نظریات کا داعی ہے اور ہی ہے جو بت پرستی کی طرف لوگوں کو آمادہ کرتا ہے' انسان کو کم از کم ان کی کانا پھوسی سے محتاج کر دیتا ہے جو دشمن کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسلام نے زندگی کی اس جنگ کو انسان اور شیطان کے درمیان ایک معرکہ قرار دیا ہے۔ اور انسان کی پوری قوتوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ اس جنگاہ میں شیطان اور اس کرہ ارض پر اس کی پیدا کردہ تمام شرارتوں کے خلاف جدوجہد کریں۔ وہ اللہ اور حزب اللہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں کیونکہ انسان اور شیطان کے درمیان برپا یہ معرکہ ایک دائمی جنگ کا اعلان کیا تو وہ اس جنگ میں تھکتا ہی نہیں ہے۔ مومن بھی اس سے غافل نہیں ہوتا' نہ مومن اس جنگ سے باہر آسکتا ہے' اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ اس جنگ میں یا تو وہ اللہ کا وہی ہوگا یا وہ شیطان کا دوست ہوگا۔ اس کے درمیان کوئی تیسرا موقف سرے سے ہے ہی نہیں۔ شیطان کی ٹیکنیک یہ ہے کہ وہ انسان کے دلوں میں شہوت اور لذت اور عیش و طرب پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ اپنا کام مشرکین اور شر پسندوں اور عیاشوں کے روپ میں کرتا ہے۔ ایک مسلمان اپنی ذات اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کے مقابلے میں آتا ہے اور پوری زندگی کے اندر یہ طویل اور نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رہتی ہے۔

جو شخص اپنا مددگار اللہ کو بنالے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو شخص شیطان کا ساتھی اور مددگار بن جاتا ہے اور شیطان اس کی امداد کرتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

(آیت) "ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا"۔ (۴ : ۱۱۹) (شیطان کو جس نے اللہ کے بجائے اپنا ولی و سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا)

قرآن کریم شیطان کے اس کردار کی بھی تصویر کشی کرتا ہے جو وہ اپنے ساتھیوں کے حوالے سے ادا کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ گمراہ کرنے میں اس کا طریقہ واردات کیا ہے؟

(آیت) "یعدھم ویمنیھم ومایعدھم الشیطن الا غرورا (۴ : ۱۲۰) (وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے' مگر شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں ہیں۔)

شیطان کا طریقہ گمراہی یہ ہے کہ وہ انسان کے برے اعمال کو اس کی نظروں میں بہت ہی خوشنما بنا دیتا ہے۔ یہ کام وہ نہایت ہی فریب کاری سے کرتا ہے۔ وہ یہ باور کراتا ہے کہ طریق معصیت میں ہی اس کا فائدہ اور دنیوی اور اخروی کامیابی ہے اس طرح انسان شیطان کے ساتھ رفاقت اختیار کرلیتا ہے۔ وہ اسے باور کراتا ہے کہ ان اعمال کے نتیجے میں اس کو نجات حاصل ہو گی اور یوں انسان خوشی خوشی ہلاکت کی طرف بڑھتا ہے۔ حالانکہ (آیت) " (ومایعدھم الشیطن الا غرورا (۴ : ۱۲۰) (شیطان کا وعدہ محض فریب ہوتا ہے۔

جب شیطان کا طریقہ واردات کی اس قدر واضح انداز میں تصویر کشی کے باوجود یہ ازلی دشمن اپنے پھندے پھیلاتا ہے اور جال بچھاتا ہے اور شکار کو آہستہ آہستہ اس کی طرف ہانکتا ہے' تو اس کے جال اور پھندے میں وہی لوگ پھنستے ہیں جن کی فطرت بدل چکی ہو اور ان کے نفس سے صلاح کے تمام آثار مٹائے جا چکے ہوں۔ ایسے ہی لوگ مدہوش اور خفتہ ہوتے ہیں اور یہ بات نہیں سوچتے کہ انھیں کس راہ پر چلایا جا رہا ہے اور کس فریب میں ان کو پھنسایا جا رہا ہے۔

اہل ہدایت کو بیدار کرنے کے لیے جو بچ دیا جا رہا تھا' وہ کام ہی کر رہا تھا اور راہوار خیال اس معرکے کی نوعیت کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ہی ان لوگوں کا انجام سامنے آجاتا ہے جن کو شیطان نے اپنے پھندے میں پھنسا لیا ہوتا ہے اور جن کو اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں پختہ یقین دہانی کرائی ہوتی ہے اور جن پر اس کا اعلان کردہ جادو چل چکا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا انجام بھی اسکرین پر آتا ہے جو شیطان کے پھندے سے نکل گئے' اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر صحیح طرح ایمان لا چکے تھے۔ اور جن لوگوں کا ایمان پختہ ہوتا ہے وہ شیطان کے پھندے سے محفوظ ہوتے ہیں' اس لیے کہ شیطان کو اللہ نے ملعون قرار دیا ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے لوگوں کے اغوا کرنے اور گمراہ کرنے کا موقعہ دیا تھا تو اس وقت ہی اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا تھا کہ میرے مخلص بندوں کا تم کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اللہ کے مخلص بندوں کے معاملے میں کمزور رہا۔ جب تک انھوں نے اللہ کی راسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ذرا غور فرمایئے!

(آیت) "ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا"۔ (۱۱۹) یعدھم ویمنیھم ومایعدھم الشیطن الا غرورا (۴ : ۱۱۹۔ ۱۲۰)

(جس نے شیطان کو جس نے اللہ کے سوا الہ بنا لیا وہ صریح گھاٹے میں رہا، وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے ") (' مگر شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں ہیں۔

121: أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾

(آیت) " نمبر ۱۲۱تا ۱۲۲۔

اور وہ جہنم جس سے اولیاء الشیطان کو بھی چھٹکارا نہ ہو گا۔ دوسری جانب جنت ہے جس میں خدا دوست ہمیشہ رہیں گے (۔۔ ومن اصدق من اللہ قیلا (۴ : ۱۲۲) (اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہو گی

اللہ کی بات مطلقاً سچی ہوتی ہے جس کے مقابلے میں شیطان کی بات فریب اور جھوٹ ہوتی ہے اور جو لوگ شیطان کے جھوٹے وعدوں میں آجاتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے سچے وعدے پر یقین کرتے ہیں ان دونوں کے موقف میں بہت ہی بڑا فرق ہے۔

اس کے بعد قرآن کریم عمل اور جزائے عمل کے بارے میں اللہ کے عظیم اور نا قابل تغیر اصول کو بیان کرتا ہے کہ ثواب و عقاب کا دار و مدار محض خواہشات نفس اور تمناؤں پر نہیں ہوتا۔ ثواب و عقاب ایک مستقل سنت اور دائمی اصول پر مبنی ہوتا ہے اور وہ ایک نہایت ہی مثبت قانون ہے۔ اس قانون کا اطلاق تمام امتوں میں رہا ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کا نہ نسب ملتا ہے اور نہ ہی کسی کے ساتھ اللہ کی رشتہ داری ہے اور دنیا میں کوئی نہیں ہے کہ اس کے لیے اس اصول میں کوئی نرمی کی جائے یا اس کیوجہ سے سنت الٰہیہ میں کوئی تبدیلی یا تخلف ہو گا۔ یا اس کے مفاد میں قانون بدل جائے گا۔ جو برا کرے گا وہ جزائے بد سے دوچار ہو گا اور جو اچھائی کرے گا وہ جزائے خیر پائے گا' غرض جیسا کرو گے ویسا بھرو گے اس میں نہ دوستی ہے اور نہ لحاظ۔